اپنے ممدوحوں کو ایسے زندہ و متحرک بنا کر دکھا دیا کہ ہر دور کا قاری ان سے اپنا رشتہ تلاش کر سکتا ہے۔ یہ تینوں اشخاص (سعدی، غالب، سرسید) حالی کے ہاں فوق البشر اور ناقابل ادراک مقدس بن کر نہیں نمودار ہوتے بلکہ اسی جہان آب و گل کے رہنے والے گوشت پوست کے انسان بن کر ہم سے متعارف ہوتے ہیں، اور ہم سے اندھی عقیدت کے بجائے باشعور محبت اور سچے احترام کے طالب ہوتے ہیں۔ اسی طرح حالی کا مقدمہ شعروشاعری ہمیں اپنے صدیوں پر پھیلے ہوئے ادبی سرمائے پر صحیح، متوازن اور ٹھوس استحسانی نظر ڈالنے کا ڈھب سکھاتا ہے، تاکہ ہم ماضی کو بتوں کی طرح طاقوں میں سجا کر اس کے آگے ڈنڈوت کرتے رہنے کے بجائے اس سے استفادہ کریں، اس کی خوبیوں کو اپنائیں اور اس کی خامیوں سے سبق لیں۔ دوسرے الفاظ میں، حالی کا مقدمہ ہمیں کاغذی نہیں، سچ مچ کے پھولوں کا گلدستہ پیش کرتا ہے، اور بتاتا ہے کہ ماضی کا ادب تبرک نہیں جسے چوم کر آنکھوں سے لگالینا ہی ہمارا فرض ہو، بلکہ وہ ہماری میراث ہے جسے مسلسل سنوارتے رہنا ہماری ضرورت ہے۔

حاصل کلام یہ کہ جس ہندی معاشرے کو سرسید نے ادب میں منظم عقل بخشی تھی، حالی نے اسے ادب میں اس عقل سے کام لینا اور اجتماعی ہمدردی کے لیے کام کرنا سکھایا۔

پانچویں کڑی، مولانا شبلی نعمانی: حالی تک پہنچتے پہنچتے ہمارا ادب شعور اور عقل سے بہرہ ور ہو چکا تھا۔ اب ضرورت تھی علم کی، کیونکہ شعور اور عقل کا ارتقا علم کے بغیر ناممکن ہے اور علم کے لیے تحقیق و کاوش کے علاوہ دقت نظر اور صحیح قوت فیصلہ ضروری ہے۔ یہ تمام اوصاف ادب میں پہلی بار داخل کرنے والی ہستی مولانا شبلی تھے۔ ان سے پہلے اگرچہ حالی اور محمد حسین آزاد بھی اس سلسلے میں کچھ کام کر چکے تھے مگر خالص علمی نقطۂ نظر سے اس کی اتنی اہمیت نہیں۔ حالی نے تین سوانح لکھیں۔ جن میں سے دو ان اشخاص سے متعلق تھیں جن سے حالی کے براہ راست تعلقات تھے اور ان میں انھیں تحقیق یا ریسرچ کی نوبت کم ہی آئی اور آزاد کی تحقیق کا زیادہ تر دائرہ کار لسانیات، بالخصوص فارسی زبان میں ہے، جس کی افادیت کم از کم اس زمانے میں--- یعنی جب اردو ادب اپنے بالکل ابتدائی ارتقا کے مراحل میں تھا--- برائے نام تھی۔ ان کے برخلاف شبلی نے تحقیق و تاریخ نگاری کا ایک بلند معیار قائم کیا اور تقریباً ہر موضوع پر قلم اٹھایا، ماضی سے جو رشتہ حالی نے جوڑنے کی ابتدا کی تھی اسے مستحکم کیا اور صرف شعروادب ہی کے ذکر پر بس نہ کی بلکہ مسلمانوں کی تقریباً تمام اہم فکری و عملی کاوشوں کو اردو میں منتقل کرنے کا باب وا کر دیا۔ اپنے کام کو جاری رکھنے کی غرض سے ایسے ادارے قائم کیے جو آج تک ان کی ڈالی ہوئی داغ بیل پر کام کر رہے ہیں، بلکہ ان کی تحریک سے ویسے ہی دیگر ادارے بھی ملک میں قائم ہوتے چلے گئے اور ان سب باتوں کے علاوہ تحریر کا وہ اسلوب ایجاد کیا جو بیک وقت علمی و ادبی تھا۔ اس میں سرسید کی سی قطعیت اور زور